# تعلق باللہ کے دس وسائل

ڈاکٹر ظہیر عمر شیخ

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ سے ایک حدیث روایت کی ہے کہ: میں اور آپ ﷺ مسجد نبوی سے باہر آ رہے تھے، ایک شخص مسجد کے صحن کی دیوار کے پاس ملا اور عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ قیامت کب قائم ہوگی؟ آپ ﷺ نے جواباً فرمایا: تو نے اس کی کیا تیاری کی ہے؟ آپ ﷺ کی اس بات سے وہ شخص اپنے آپ کو ہلکا سمجھنے لگا پھر کچھ توقف کے بعد عرض کی: میں نے قیامت کی تیاری کے سلسلے میں نہ تو کوئی زیادہ نفلی نمازیں پڑھیں نہ (نفلی) روزے رکھے اور نہ ہی (نفلی) صدقے کیے، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''(قیامت کے روز) تو اُن کے ساتھ ہوگا جن سے تجھے محبت ہوگی۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا: ہم اسلام لانے کے بعد اور کسی بات پر اتنے خوش نہیں جتنے آپ ﷺ کے اس فرمان پر کہ ''تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت کرتا ہے۔''

امام ابن القیمؒ محبت کے متعلق فرماتے ہیں: (اللہ و رسول ﷺ کی) محبت ایسی چیز ہے کہ دلچسپی لینے والے اسی میں ترجیحاً دلچسپی لیتے ہیں، عامل اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں، بازی لے جانے والے اس کے لیے تیار رہتے ہیں، عاشق اسی پر اپنی جان دیتے ہیں، عابد اسی کی خوشبو سے معطر ہوتے ہیں، یہ محبت دلوں کی خوراک، روحوں کی غذا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، یہی اصل زندگی ہے، جو اس سے محروم رہا وہ زندگی میں بھی مُردوں کی طرح ہے، یہ محبت وہ نور ہے کہ جو اس سے بے بہرہ ہے وہ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہے، یہ وہ شفاء ہے کہ جسے یہ نہ ملے اس کے دل پر ہر طرح کی بیماریاں حملہ کریں گی، یہ وہ لذت ہے کہ جسے نصیب نہ ہوئی اس کی پوری زندگی مصیبتوں اور غموں سے عبارت ہوگی۔

جو شخص چاہتا ہے کہ اللہ کا عاشق ہونے کے درجے سے بڑھ کر اللہ کا محبوب بن جائے، تو اس کے لیے امام ابن قیمؒ نے اپنی کتاب ''مدارج السالکین'' میں دس وسائل بیان کیے ہیں، ذیل میں انہی دس وسائل کے بارے میں بات کی جائے گی۔

(۱) پہلا وسیلہ قرآن کو غور و تدبر سے پڑھنا اور اس کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھ لینا ہے، اور یہ بھی کہ قرآن کا اصل مطالبہ کیا ہے؟ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو اسے اللہ کی کتاب پڑھنی چاہیے، امام حسن بن علیؓ نے فرمایا: ''تم سے پہلے کے لوگ قرآن کو خدا تعالیٰ کا پیغام سمجھتے تھے چنانچہ رات کو اسے غور و تدبر سے پڑھتے اور دن کو اس کے عملی نفاذ کی کوشش کرتے تھے۔''

اس سلسلے میں علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں: قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ اللہ نے اپنی انسانی مخلوق پر کتنا بڑا احسان کیا ہے کہ اسے اپنے کلام کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کی ہے، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ وہ جس کی تلاوت کر رہا ہے وہ کوئی انسانی کلام نہیں ہے، اسے اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی کو ذہن میں رکھنا چاہیے اور اس کے کلام پر غور کرنا چاہیے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ یہ ذہن بنا کر اس کی تلاوت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کا ایک صحابی اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے پاک کلام کی ایک سورت یعنی سورۂ اخلاص کی بار بار تلاوت اور اس پر غور و فکر کرکے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اُس سے جب اس سورۃ کی بار بار تلاوت کی بابت پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ میں اسے بار بار اس لیے پڑھتا ہوں کہ اس میں رحمان کی صفت بیان ہوئی ہے لہٰذا مجھے اس سورۃ سے محبت ہے''۔ اس کے اس جواب پر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو بتا دو کہ اللہ (بھی) تجھ سے محبت کرتا ہے۔

(۲) دوسرا وسیلہ فرض عبادتوں کے علاوہ نفل عبادتوں کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرنا ہے، نفل عبادتیں انسان کو اللہ سے محبت کا تعلق جوڑنے کے بعد محبوب خدا ہونے کے درجے پر فائز کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو شخص میرے کسی دوست سے دشمنی کی ٹھان لیتا ہے تو میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں، میری سب سے پسندیدہ چیز یہ ہے کہ میرا بندہ میرا قرب میری فرض کردہ عبادتوں کے ذریعے حاصل کرے، اس کے بعد نوافل ہیں تو ان کے ذریعے بندہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں ہی اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اس کی ٹانگیں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ میرا بندہ مجھ سے (مزید ہدایت و توفیق) مانگے گا تو میں اسے ضرور دوں گا اگر مجھ سے (شیطانی وساوس اور دشمنوں کی تکلیف سے) پناہ مانگے گا تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا۔''

اس حدیث نے نجات پانے والے کامیاب

لوگوں کی دو قسمیں بیان کی ہیں پہلی قسم اللہ سے محبت کرنے والوں کی ہے جو اللہ کے فرائض ادا کرتے ہیں اور اس کے محرمات سے اجتناب کرتے ہیں، اور دوسری قسم والے اللہ کے محبوب ہیں جو فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

علامہ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کے قربت دارولی دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم کے ذکر کے بعد فرمایا: یہ وہ ہیں جو فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں، انہوں نے نفل عبادتیں کرنے میں بڑی محنتیں کیں اور ناپسندیدہ چیزوں سے دور رہے، اور اس طرح کا طرز عمل بندے کے لئے اللہ کی محبت کا موجب ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا وسیلہ ہر حالت میں اللہ کو یاد رکھنا ہے، زبان سے دل سے، نیک اعمال کے ذریعے اور اپنی حالت (وضع قطع) سے۔ اللہ کی محبت سے انسان کو اسی قدر حصہ مل سکتا ہے جس قدر وہ (انسان) اللہ کو یاد رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں اس وقت تک جب تک کہ وہ مجھے یاد رکھتا ہے اور میرے ذکر سے اس کے ہونٹ حرکت کرتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے: فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ یعنی تم مجھے یاد رکھو تو میں تمھیں یاد کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: خاص قسم کے لوگ بازی لے گئے، صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ یہ خاص قسم کے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ یعنی وہ مرد اور خواتین جو اللہ کو بہت یاد رکھتے ہیں۔ آپؐ نے اللہ کو یاد نہ رکھنے والوں کے خسارے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، کوئی ایسی جماعت نہیں جو کسی ایسی مجلس میں بیٹھتی ہے جس میں وہ نہ تو اللہ کو یاد رکھتے ہیں اور نہ ہی نبی ﷺ پر درود بھیجتے ہیں، تو ایسی مجلس ان کے لئے قیامت کے دن حسرت وندامت کی موجب ہوگی خواہ وہ اجر و ثواب کی وجہ سے جنت میں داخل ہی کیوں نہ ہو رہے ہوں۔

اسی لئے آپؐ نے اس شخص کو بھی کچھ ایسا جواب دیا جس نے آکر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شریعت کے احکام تو بہت سارے ہیں، مجھے بس کوئی ایسی جامع بات ارشاد فرمائیں جس پر میں کاربند رہ سکوں، (اور اس طرح میری نجات ہو) تو آپؐ نے فرمایا: تیری زبان پر ہمیشہ اللہ کا ذکر جاری رہے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی اس خاص نصیحت کو سمجھ لیا تھا اور اس کی غیر معمولی حقیقت کا ادراک کر لیا تھا۔ دیکھئے جب حضرت ابوالدرداءؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کسی شخص نے ایک سو غلام آزاد کیے (تو کیا خیال ہے کہ یہ بڑا عمل ہے؟) اس پر حضرت ابوالدرداءؓ نے فرمایا: بلاشبہ کسی شخص کے رزق سے ایک سو غلام آزاد ہونا بہت بڑی قربانی ہے مگر اس سے بڑھ کر ایک اور بات ہے اور وہ یہ کہ دن رات چمٹا ہوا ایمان (بندے کا مفید ساتھی ہے)، دوسرے یہ کہ تم میں سے ہر ایک کی زبان پر ذکر اللہ کا ورد جاری رہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ ہر وقت اللہ کو یاد کرتے ہیں وہ جنت میں خوش خوش داخل ہونگے۔

(۴) اللہ کی محبت حاصل کرنے کا چوتھا ذریعہ اللہ کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دینا ہے، خصوصاً ان حالات میں جب نفسانی خواہشات کا انسان کے دل و دماغ پر غلبہ ہو، دوسرا کام مشکل حالات میں بھی اللہ کی محبت کی سیڑھیوں پر چڑھتے چلے جانا ہے، علامہ ابن قیمؒ اس عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں: اللہ کی رضا کو دوسری محبتوں پر ترجیح دینا خواہ اس میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں اور محنتیں کرنی پڑیں، چاہے قوت برداشت جواب دے جائے، جسمانی ساخت اس کی متحمل نہ ہو (تب بھی اللہ کی رضا کو ترجیح دی جائے)، اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کی رضا جوئی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ وہی کچھ چاہے اور کرے جو اللہ کو خوش کرنے کا موجب ہو، اس میں خواہ خلقِ خدا ناراض ہی کیوں نہ ہو، یہ قربانی کا اونچا درجہ ہے۔ جو اولوالعزم پیغمبروں کو حاصل تھا اور ان میں بھی سب سے اونچا درجہ آپ ﷺ کو نصیب ہوا، یہ مقام مندرجہ ذیل تین ذریعوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۱) نفس کی (ناجائز) خواہشات کو دبانے سے۔

۲) خواہشات نفسانی کی مخالفت سے۔

۳) شیطان اور اس کے ایجنٹوں کے ساتھ جہاد کرنے سے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے ”مسلمان کو خدا خوفی اور نفس کی خواہشات کو دبانے کی ضرورت ہے، البتہ نفس کا مطلق طور پر کسی چیز کو چاہنا سزا کا موجب نہیں، سزا تو تب ہوتی ہے جب نفس کی خواہشات کی تکمیل کی جائے۔ جب کسی نے اپنے نفس کو اور اس کی خواہشات کو دبائے رکھا تو اس کا یہ دبانا بھی ایک عبادت اور ایک صالح عمل ہے (جس پر اس کو اجر ملے گا)۔“

(۵) اللہ کی محبت کے حصول کا پانچواں ذریعہ بندے کے دل کا اللہ تعالیٰ کے اسماء/ناموں اور صفات پر غور کرنا ہے، ان کو اپنے دل کی آنکھوں سے پرکھنا اور ان کی معرفت حاصل کرنا ہے اور معرفت کے اس باغ میں اس کا بار بار جانا ہے۔ جس شخص نے اللہ کی معرفت اس کے اسماء و صفات اور افعال کے ذریعے حاصل کر لی وہ لازماً اللہ سے محبت کرے گا، اس کی وضاحت علامہ ابن قیمؒ یوں کرتے ہیں ”عارف باللہ محض وہ شخص ہو سکتا ہے جو اللہ کی تمام صفات کریمہ کو جانتا ہو، جسے اللہ سے ملنے کا صحیح طریقہ معلوم ہو اور جسے یہ بھی معلوم ہو کہ اس راستے میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں، اس طرح وہ اللہ کے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ خود اس کی ہیئت و حالت بتاتی ہے کہ اس کا اپنے خالق سے قریبی تعلق ہے۔ لہٰذا حقیقی عارف باللہ وہی شخص ہے جو صفات باری تعالیٰ اور اس کی قدرت مطلقہ کو صحیح

معنوں میں پرکھتا ہو، اس کے بعد وہ اللہ کی اطاعت کاملہ سے اپنی اس معرفت کی صداقت کو ثابت کرتا ہے، اور اس طرح اس کی نیت اور اس کا قصد حقیقی طور پر صحیح ہو جاتا ہے۔

(۶) چھٹا ذریعہ اللہ کے احسانات کا قلبی مشاہدہ ہے، اللہ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں پر غور کرنا ہے کیونکہ یہ چیزیں اللہ کی محبت کی طرف بلاتی ہیں، بندہ احسانات کا غلام ہوا کرتا ہے اور انعامات، حسن سلوک اور مہربانیاں بندے کو غلام بناتی ہیں، یہ ایسی حقیقتیں ہیں جو انسان کے جذبات کو کھینچ لیتی ہیں اور اس کے احساسات کو کنٹرول کرتی ہیں۔ نتیجتاً وہ اس ہستی سے محبت کرنے لگتا ہے جو اس پر انعامات کرتی ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ فطری طور پر انسان اُس سے محبت کرتا ہے جو اس سے بھلائی کرتا ہے، اس سے ہمدردی کرتا ہے جو اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے دشمنوں کا قلع قمع کرتا ہے جب انسان صحیح نہج پر سوچے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ اس پر احسانات محض اللہ کی ذات کے ہیں، پھر یہ بھی کہ اللہ کی نعمتوں کی کوئی حد وحساب نہیں ہے، اللہ فرماتا ہے: اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے لگو تو تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے ویسے انسان تو (عام طور پر) غیر معتدل اور ناشکرا ہوتا ہے..... اس سلسلے میں سیدؒ قطب اپنی تفسیر ''فی ظلال القرآن'' میں لفظ ''الافـــئـــدة'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ فـؤاد (دل) ہی سے تو انسان، انسان بنا ہے، یہ دل اُس ادراک کی قوت کا نام ہے اور اس کی تمیز اور پرکھنے اور عرفان کا نام ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو پوری کائنات کا خلیفہ بنایا گیا ہے، یہ ادراک ہی ہے کہ جس کے بل بوتے پر انسان نے اس امانت کا بار اٹھایا جسے آسمان و زمین اور پہاڑ اٹھانے سے قاصر رہے۔ یہ فواد وہ انفرادی ہدایت یافتگی اور ارادے کی پختگی ہے جو انسان کو ایک مضبوط طور طریقے پر چلاتی ہے، اس قوت کی حقیقت اور ماہیت اور اس کے مرکز کا پتہ کسی کو نہیں چلتا کہ جسم کے اندر یہ کہاں پر ہے؟ آیا جسم کے باہر ہے؟ یہ فی الحقیقت اللہ کا کوئی پنہاں راز ہے جسے اس کے سوا کوئی نہیں جانتا...... یہ اتنی بڑی نعمتیں جو انسان کو عطا کی گئی ہیں ان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اس بڑی امانت کا ذمہ اٹھائے جو اسے سونپی گئی ہے، لیکن وہ ناشکرا ثابت ہوا (کیونکہ شکر کرنے والے لوگ تو بہت تھوڑے ہی ہیں)، اس طرح کا احساس جب انسان کے دل میں جاگے گا تو وہ شرمندہ ہوگا۔ عربی شاعر کہتا ہے، کائنات میں موجود اللہ کی آیات (نعمتیں) اس بارے میں زبان کھول کر بات کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ یہ کائنات بڑی عجب چیز ہے کاش کہ تیری آنکھیں اسے دیکھتی ہوتیں۔

(۷) ساتواں وسیلہ بڑا پسندیدہ ہے اور وہ ہے اللہ کے دربار میں انکسار قلب سے حاضر ہونا، اس سے مراد عاجزی ہے یعنی اللہ کے آگے کمتر ہونا اور خاموش ہو کر پیش ہونا، امام راغب اصفہانیؒ مفردات القرآن میں لکھتے ہیں: خشوع کے معنی ہیں عاجزی اور اس کا زیادہ تر استعمال اعضاء کی عاجزی پر ہوتا ہے، جبکہ لفظ ضَـرَاعَةٌ کا زیادہ تر استعمال قلبی عاجزی کے لیے ہوتا ہے، عربی میں کہا جاتا ہے إِذَا ضَـرَعَ الْـقَـلْـبُ خَـشِـعَـتْ جَـوَارِحُهُ یعنی جب دل عاجزی کرتا ہے تو انسان کے اعضاء بھی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ خشوع کی یوں وضاحت فرماتے ہیں کہ: خشوع کی حقیقت، تعظیم محبت، عاجزی اور انکسار سے مل کر بنتی ہے، سلفِ صالحین کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی کی کیفیات عجیب وغریب ہوا کرتی تھیں جو ان کے دل کی صفائی اور پاکیزگی پر دلالت کرتی تھیں۔

چنانچہ حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں لگتا جیسے کوئی گڑی ہوئی لکڑی ہو اور جب سجدہ کرتے تو چڑیاں آپؓ کی پیٹھ پر یہ سمجھ کر بیٹھ جاتیں کہ شاید آپ دیوار کا کوئی حصہ ہیں، زین العابدین جناب علی بن حسینؓ جب وضو کرتے تو ان کا رنگ پیلا ہو جاتا، جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ وضو کے وقت آپ کو کیا ہو جاتا ہے تو جواباً فرمایا: تمھیں پتہ نہیں کہ اب مجھے کس ہستی کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

(۸) آٹھواں وسیلہ یہ ہے کہ اسی انکسار کی حالت میں اکیلے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں دعائیں مانگی جائیں اور اس کے کلام کی تلاوت کی جائے۔ حاضر دل ہو کر اس کے دربار میں کھڑا ہونا چاہیے اور باادب انداز سے اللہ کو پکارنا چاہیے اور آخر میں گناہوں کی معافی کی طلب اور توبہ سے اس کا اختتام کرنا چاہئے، اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ کی آیت ۱۶ار میں یوں بیان کیا ہے کہ: یہ بندے اپنے بستر چھوڑ کر اپنے رب کو خوف اور طمع کی کیفیت میں پکارتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں، شب خیز لوگ یقیناً اللہ سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں بلکہ یوں کہیے کہ وہ اللہ سے محبت کرنے والوں میں سب سے اونچے مقام پر فائز ہیں اور یہ اس لیے کہ راتوں کو اٹھ کر اللہ کے دربار میں کھڑا ہونا اللہ سے محبت کے عظیم ترین مظاہر میں سے ہے۔ یعنی جن وسیلوں کا ابھی ذکر ہوا ان سب وسائل میں شب خیزی کا بڑا کردار ہے، آسمان کا امین (یعنی جبریل) زمین کے امین (محمد ﷺ) کے پاس آ کر اسے بتاتا ہے کہ: مؤمن کو بلند مرتبہ شب خیزی سے ملتا ہے اور اس کی عزت لوگوں سے بے طمع ہونے سے ہوتی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں: میں نے عبادات میں شب خیزی سے بڑھ کر کوئی اور سخت عبادت نہیں دیکھی، کسی نے اُن سے دریافت کیا کہ ان عبادت گزاروں کی کیا کیفیت ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین لگتے ہیں تو انہوں نے جواباً فرمایا: انہوں نے اللہ سے خلوت کی ہے لہٰذا اللہ نے انہیں اپنے نور سے نوازا ہے۔

(۹) نواں وسیلہ اللہ کے سچے عا ں کی صحبت ہے، ان کی گفتگو کی چیدہ چیدہ باتوں کو لینا ہے بالکل اسی طرح جس

طرح اچھے اچھے پھل چٹ جاتے ہیں، خود کوئی بات ان کی مجلس میں نہ کرنا الا یہ کہ بات کرنے میں کوئی مصلحت نظر آتی ہو اور یہ احساس ہو کہ اس بات سے مجھے مزید کوئی فائدہ ملے گا اور دوسروں کو بھی کچھ حاصل ہو گا...... ایسے لوگوں کی صحبت سے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو لوگ میری وجہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، میری وجہ سے ایک دوسرے سے مجلسیں کرتے ہیں اور میرے لیے ہی ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے ہیں، تو میری محبت ان سب کے لیے لازم ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کی مضبوط ترین کنڈی یہ ہے کہ تو اللہ کی خاطر کسی سے محبت کرے اور اللہ کی خاطر کسی سے بغض رکھے''......

ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائی سے محبت کرنا اس کے صادق ایمان کا ثمرہ ہے اس کے ذریعے اللہ بندے کے دل کو مضبوط کرتا ہے اور اس کے ایمان کو پختہ کرتا ہے تا کہ ایمان چلا نہ جائے یا کمزور نہ ہونے پائے۔

(۱۰) دسواں اور آخری وسیلہ یہ ہے کہ ہر اس چیز کو چھوڑ دینا چاہیے جو بندے کے دل اور اس کے رب کے درمیان رکاوٹ ہو، دل جب بگڑ جاتا ہے تو وہ دنیوی مفاد کی تلاش میں کھو جاتا ہے، اور پھر اس طرح بندہ آخرت کا کوئی مفاد یا کمائی حاصل نہیں کر پاتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس دن نہ تو مال کام آئے گا اور نہ اولاد، ہاں جو شخص اللہ کے حضور فتنوں سے بچے ہوئے صحیح سالم دل کو لے کر حاضر ہو گا۔ (تو وہ اس کے کام آئے گا)

......☆......☆......